قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

Online Edition

مدیر: ابو سعید

جمعرات 27/ اگست 2020ء | 08 محرم الحرام 1442 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 205

فرمانِ رسول ﷺ

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب بن عجرہؓ ملے۔ انہوں نے کہا: کیا میں آپ کے سامنے ایک تحفہ نہ پیش کروں جو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں مجھے وہ تحفہ دیں۔ انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہؐ! آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے لئے دعائے رحمت کیونکر کی جائے۔ کیونکہ اللہ نے ہمیں یہ توسکھلا دیا ہے کہ ہم سلامتی کی دعا کیونکر کریں۔ آپؐ نے فرمایا: یوں کہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

یعنی اے اللہ! محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر رحم فرما۔ جیسا کہ تو نے ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی آل پر رحم کیا۔ یقیناً تو بہت ہی خوبیوں والا (اور) بڑی شان والا ہے۔ اے اللہ! تو محمدؐ اور محمدؐ کی آل پر برکت نازل فرما۔ جیسا کہ تو نے ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ کی آل پر برکت نازل کی۔ یقیناً تو بہت ہی خوبیوں والا (اور) بڑی شان والا ہے۔

(الصحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء، حدیث 3370)

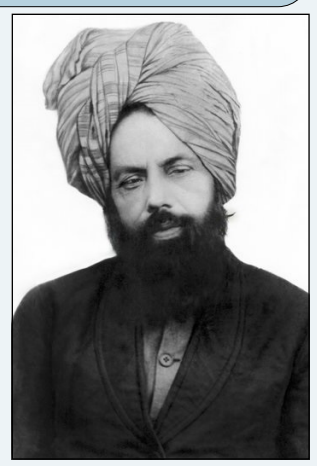

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

اس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

’’دُنیا میں کروڑہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب تر اس مرد خدا کو پایا ہے جس کا نام ہے محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا۔ ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا صرف ہم اُن نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سو ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ برکات ہم بچشم خود نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گذشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ رہ جاتا کیونکہ صرف قصوں سے کوئی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی اور ممکن ہے کہ وہ قصے صحیح نہ ہوں اور ممکن ہے کہ وہ تمام معجزات جو اُن کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ سب مبالغات ہوں کیونکہ اب ان کا نام و نشان نہیں بلکہ ان گذشتہ کتابوں سے تو خدا کا پتہ بھی نہیں لگتا اور یقیناً سمجھ نہیں سکتے کہ خدا بھی انسان سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے یہ سب قصے حقیقت کے رنگ میں آ گئے۔ اب ہم نہ قال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ مکالمہ الٰہیہ کیا چیز ہوتا ہے اور خدا کے نشان کس طرح ظاہر ہوتے ہیں اور کس طرح دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا اور جو کچھ قصوں کے طور پر غیر قومیں بیان کرتی ہیں وہ سب کچھ ہم نے دیکھ لیا۔ پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے:

محمدؐ عربی بادشاہ ہر دو سرا
کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

ہم کس زبان سے خدا کا شکر کریں جس نے ایسے نبی کی پیروی ہمیں نصیب کی جو سعیدوں کی ارواح کے لئے آفتاب ہے جیسے اجسام کے لئے سورج۔ وہ اندھیرے کے وقت ظاہر ہوا اور دُنیا کو اپنی روشنی سے روشن کر دیا وہ نہ تھکا نہ ماندہ ہوا جب تک کہ عرب کے تمام حصہ کو شرک سے پاک نہ کر دیا۔ وہ اپنی سچائی کی آپ دلیل ہے کیونکہ اُس کا نور ہر ایک زمانہ میں موجود ہے اور اس کی سچی پیروی انسان کو یوں پاک کرتی ہے کہ جیسا ایک صاف اور شفاف دریا کا پانی میلے کپڑے کو۔ کون صدقِ دل سے ہمارے پاس آیا جس نے اُس نور کا مشاہدہ نہ کیا اور کس نے صحت نیت سے اس دروازہ کو کھٹکھٹایا جو اُس کے لئے کھولا نہ گیا لیکن افسوس! کہ اکثر انسانوں کی یہی عادت ہے کہ وہ سفلی زندگی کو پسند کر لیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ نور اُن کے اندر داخل ہو۔‘‘

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 301 تا 303)

ارشاد باری تعالیٰ

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا

(الاحزاب: 57)

ترجمہ: یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

فرمان خلیفہ وقت

آنحضور ﷺ کا اعلیٰ و ارفع مقام

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’آپؐ کی سیرت کا اور اُسوہ کا مضمون تو نہ ختم ہونے والا مضمون ہے۔ ہر خُلق میں آپ کا عظیم نمونہ ہے اور کیوں نہ ہو۔ آپ ایک عظیم معلّم ہیں اور معلّمِ اخلاق ہیں۔ اگر کوئی برا بھی ہے جو آپ کے پاس آیا تو آپ اس سے بھی اخلاق سے پیش آئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ یہ اپنے گھرانے میں بہت ہی بُرا بھائی ہے۔ مطلب سلوک اچھا نہیں ہے اپنے بھائی کی حیثیت سے۔ اور اپنے خاندان کا بہت ہی بُرا بیٹا ہے۔ جب وہ آ کر بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے نہایت خوش اخلاقی سے گفتگو فرمائی۔ باوجود اس کے کہ وہ بُرا بھائی تھا اور بُرا بیٹا تھا اور اس میں بداخلاقیاں تھیں۔ آپ نے اس سے نہایت خوش اخلاقی سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! جب آپ نے اسے دیکھا تو آپ نے اس کے بارے میں فلاں فلاں بات کی تھی اور پھر اس سے گفتگو کے دوران آپ نے کمال خندہ پیشانی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ السلام نے فرمایا عائشہ! تُو نے کب مجھے بدزبانی کرتے ہوئے پایا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ یقیناً سب سے بُرا آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہو گا جس کی بدی سے ڈر کر لوگ اس کی ملاقات چھوڑ دیں۔ (صحیح البخاری کتاب الادب باب لم یکن النبیؐ فاحشا ولا متفحشا حدیث 6032) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک موقع پر پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کس طرح پتا چلے کہ مَیں اچھا کر رہا ہوں یا برا کر رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے پڑوسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم اچھے ہو تو سمجھو کہ تمہارا طرز عمل اچھا ہے۔ اور جب پڑوسی کہے کہ تم بُرے ہو اور تمہارا رویّہ بُرا ہے پھر سمجھ لو کہ تم بُرے ہو اور تمہارا رویّہ جو ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب الثناء الحسن حدیث 4223) پس اپنے اخلاق ہر حال میں اچھے رکھنے کی ضرورت ہے اور یہی آج ایک احمدی کا شیوہ ہونا چاہئے۔ آج مسلمانوں میں جو فتنے ہیں، فساد ہیں ان کی بنیادی وجہ ہی یہی ہے کہ اخلاق کے معیار گر گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو لوگ بھول گئے ہیں اور صرف زبانی دعوے ہیں۔

(فرمودہ مورخہ 01/ دسمبر 2017ء بمطابق 01/ فتح 1396 ہجری شمسی، بمقام مسجد بیت الفتوح، مورڈن، لندن، یوکے)

اس شمارہ میں

- ظہور نورِ حق کامل ہوا ہے
- تعارف سورۃ المؤمنون (تئیسویں سورۃ)
- رسول کریم ﷺ کا طریق عمل۔ تربیت اولاد کے متعلق
- مباحثات و مناظرات ضلع چکوال

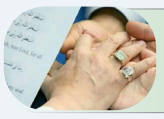

دربارِ خلافت

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک حوالہ پڑھا تھا جس میں آپ نے مسلمانوں کی عمومی حالت کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوگئی ہوتی اور وہ حقیقتِ اسلام سے بکلّی دُور نہ جا پڑے ہوتے تو پھر میرے آنے کی ضرورت کیا تھی۔ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہوگئی ہیں اور وہ اسلام کے مفہوم اور مقصد سے محض ناواقف ہیں۔ پھر آگے آپ نے یہ بھی فرمایا تھا (اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا تھا) کہ

’’یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ ہم میں کون سی بات اسلام کے خلاف ہے۔ ہم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہیں۔‘‘ یعنی مسلمان عمومی طور پر سمجھتے ہیں کہ ہم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے ہیں ’’اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روزے کے دنوں میں روزے بھی رکھتے ہیں اور زکوۃ بھی دیتے ہیں۔‘‘ آپ فرماتے ہیں کہ ’’مگر مَیں کہتا ہوں کہ ان کے تمام اعمال اعمالِ صالحہ کے رنگ میں نہیں ہیں ورنہ اگر یہ اعمال صالحہ ہیں تو پھر ان کے پاک نتائج کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ اعمال صالحہ تو تب ہو سکتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے فساد اور ملاوٹ سے پاک ہوں لیکن ان میں یہ باتیں کہاں ہیں؟‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 343۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

آج ہم دیکھتے ہیں تو سب سے زیادہ فساد کی حالت مسلمان ممالک میں ہے۔ مسلمان گروہوں میں ہے۔ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے پر سرگرم ہیں۔ ہر ایک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو پڑھتا ہے اور دوسرے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے والے کا خون کرتا ہے۔ اس کا حق مارتا ہے۔ کسی بھی ذریعہ سے اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، کیا یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے جس پر یہ لوگ عمل کر رہے ہیں؟ کیا یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ ہے جس کی یہ لوگ پیروی کر رہے ہیں؟ آجکل تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ دنیاداری غالب ہے۔ اگر مذہب کا نام بھی لیتے ہیں تو سیاست چمکانے کے لئے اور اپنے زُعم میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کے لئے یا بچانے کے لئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے بارے میں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ سنہری حروف میں لکھا جانے والا بیان ہے کہ ’’کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰن‘‘ (مسند امام احمد بن حنبل جلد 8 صفحہ 305 حدیث 25816 مسند عائشہؓ مطبوعہ عالم الکتب العلمیۃ بیروت 1998ء) کہ آپ کی سیرت اور آپ کے معمولات کا پتہ کرنا ہے تو قرآن کریم آپ کی سیرت کی تفصیل ہے اسے پڑھو۔ اور یہ نمونے آپ نے اس لئے قائم فرمائے کہ آپ کو ماننے والے مومن اس پر عمل کریں۔ صرف نعرے لگانے کے لئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ میرے سے حقیقی تعلق صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے سے قائم نہیں ہو گا بلکہ میری محبت کو حاصل کرنا ہے تو پھر میرے محبوب رسول کی پیروی کرو۔ اس کے اُسوہ کو اپناؤ تو میرے پیارے بن جاؤ گے۔ تمہیں وہ مقام مل جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی قربت کا مقام ہے ورنہ تمہارے نعرے کھوکھلے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (آل عمران:32) کہ تُو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے اس کا یہی حال ہوتا ہے جو آجکل کے مسلمانوں کا ہے۔ علماء جن کو عامۃ المسلمین عام طور پر اللہ تعالیٰ کا پیار اسمجھتے ہیں، اس کے قریب سمجھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ دنیا میں فساد پیدا کر رہے ہیں۔ اب تو خود پاکستان میں بعض تجزیہ نگار اور کالم نویس اخباروں میں بھی لکھنے لگ گئے ہیں، دوسرے میڈیا پر بھی کہنے لگ گئے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ان نام نہاد علماء نے ایسی کر دی ہے۔ پس اس وقت مسلمان علماء کی عمومی حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی قرآن اور سنت کی حقیقت بتانے والا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق بھیج دیا ہے۔ لیکن علماء نہ خود اس کی بات سننا چاہتے ہیں، نہ عوام کو سننے دیتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کے خلاف کفر کے فتوے دے کر ایک عمومی خوف و ہراس اور فتنہ و فساد کی صورت پیدا کر دی ہے۔

بقیہ صفحہ 3 پر

ظہورِ نورِ حق کامل ہوا ہے

ظہورِ نورِ حق کامل ہوا ہے
منور ذرہ ذرہ ہو گیا ہے

وجودِ آدمیت کا تو باعث
ترے دم سے زمانہ جی رہا ہے

ملائک نے جو آدم کو کیا تھا
حقیقت میں تجھے سجدہ ہوا ہے

کہیں یاسین کہیں طٰہٰ ترا نام
کہیں حبلِ خدا تیری ثنا ہے

تو تاجِ مرسلیں، طیب، امیں ہے
تو ہی بدرالدجیٰ، شمس الضحیٰ ہے

ملائک اور جواہر میں نہیں ہے
جو نورِ حق ترے دل میں بھرا ہے

جبیں انسانیت کی تجھ سے روشن
سبھی داغوں کو تو نے دھو دیا ہے

خدا نے جس قدر جلوے اتارے
تو سب جلووں کا مجمع بن گیا ہے

ترے ہاتھوں میں روشن شمعِ دیں ہے
تو ہی دنیا کی آنکھوں کی ضیا ہے

ہر اک تو نے بتایا رازِ فطرت
معارف کا دفینہ تجھ سے وا ہے

مہ و خورشید کو کرتا ہے حیراں
وہ دل یادوں سے تیری جو بھرا ہے

(مقبول احمد ظفر مرحوم۔ مربی سلسلہ)

تعارف سورۃ المؤمنون (تئیسویں سورۃ)

(مکی سورۃ، تسمیہ سمیت اس سورۃ کی 119 آیات ہیں)

ترجمہ از انگریزی ترجمہ قرآن (حضرت ملک غلام فرید صاحب) ایڈیشن 2003

مترجم: وقار احمد بھٹی

وقت نزول اور سیاق و سباق

اس سورہ میں کافی تسلی بخش گواہی موجود ہے کہ یہ مکہ میں قیام کے آخری دنوں میں نازل ہوئی۔ سیوطی کے نزدیک یہ آنحضرت ﷺ کی مدینہ روانگی سے قبل آخری نازل ہونے والی سورہ تھی۔ اگرچہ یہ آخری نازل ہونے والی سورہ نہ بھی ہو تب بھی یہ مکہ میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ایک ہے۔ سابقہ سورہ کی آخری آیات میں مومنوں کو خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے احکامات ماننے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی جیسا کہ ان میں ان کے مستقبل کی ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔ انہیں تلوار کے ذریعہ جنگ کرنے کا حکم بھی دیا گیا تھا تا کہ وہ جنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی وہ خود بھی تلوار کے ذریعہ ہلاک ہوں۔ انہیں مزید خدا کی راہ میں قرآن کریم کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو خدا ان کی مدد کرے گا اور انہیں کامیاب و کامران کرے گا۔ یہ وعدہ مشروط تھا۔ یہاں ایک یقینی ضمانت دی گئی ہے کہ مومنوں کی ایک جماعت یقیناً پیدا ہو گی کیونکہ وہ متذکرہ بالا شرائط کو پورا کریں گے اور کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔ اس طرح ایک ایسی چیز جس کا گزشتہ سورہ میں ہونا گمان کیا گیا تھا اس کا یقینی طور پر پایا جانا اس سورہ میں بیان ہوا ہے۔

مضامین کا خلاصہ

اس سورہ کا آغاز مومنوں کے لئے اس خوشخبری سے کیا گیا ہے کہ ان کی کامیابی اور کامرانی کا وقت آ گیا ہے۔ مزید براں ان کی خصوصیات اور نمایاں اوصاف کا ذکر ہے جو ان کی روحانی نشوونما اور ترقی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان اوصاف کے بعد انسانی بچہ کی رحم مادر میں بڑھوتری اور مختلف مدارج کا ذکر ہے جن سے وہ گزرتا ہے۔ ایک نطفہ سے لیکر مکمل انسانی بچے کی شکل اختیار کرنے تک۔ پھر بتایا گیا ہے کہ جس طرح جسمانی پیدائش کے بعد موت آتی ہے اور حشر برپا ہوتا ہے اسی طرح ایسی اقوام اور معاشرے جہاں کسی وقت میں روحانی انقلاب برپا ہو رہا ہوتا ہے وہ کسی دوسرے وقت میں زوال پذیر ہو جاتی ہیں اور کسی مناسب وقت پر ایک اور قوم ان کی جانشین ہو جاتی ہے۔ دراصل روحانی اور جسمانی ترقیات کی آپس میں خوب مشابہت ہے۔ دونوں کو تکمیل کے لئے سات مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

پھر اس سورہ میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ دنیا میں ہر چیز ایک معین اندازے کے مطابق اتاری گئی ہے اور معین وقت تک ہر چیز کی حفاظت کی جاتی ہے اور ایک معین وقت تک برقرار رہتی ہے۔ البتہ جب وہ اپنی افادیت پہنچا دیتی ہے تو زوال پذیر ہونے لگتی ہے اور بالآخر موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح الٰہی تعلیمات جو قرآن کریم سے پہلے نازل ہوئیں، اپنے مقصد کو پورا کرنے کے بعد اپنا مقام کھو بیٹھیں۔ یوں کسی بھی تعلیم کا الٰہی ہونا اس کو زوال پذیر ہونے سے نہیں روک سکتا۔ یہ صرف قرآن کریم ہے جس کو تسلسل حاصل ہے اور یہ ہمیشہ روحانی غذا جملہ انسانیت کے لئے مہیا کرتا رہے گا۔

بعد ازاں اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے چند نعماء کا ذکر کیا ہے جن سے اس نے انسان کو متمتع کیا ہے اور جو اس کی جسمانی ضروریات کے لئے ضروری ہیں اور ان کے بیان کے بعد یہ سبق دیا گیا ہے کہ جب خدا نے انسان کی جسمانی ضروریات کا اس قدر خیال رکھا ہے تو اس نے لازماً اس سے زیادہ خیال اس کی روحانی ضروریات کا بھی رکھا ہو گا۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ روحانی ترقی کے لئے سب سے اہم شرط توحید پر ایمان لانا ہے جس کی ابتدائے آفرینش سے خدا کے نبی پرچار کرتے رہے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے توحید کا پرچار کیا ہے۔ آپ کے بعد پہ در پہ انبیاء تشریف لائے جو سب توحید کا سبق دیتے رہے اور ان کے بعد آنے والے بھی توحید کا درس دیتے رہے۔ جبکہ ظلمت کے ماروں نے ہمیشہ ان نبیوں کی مخالفت کی اور ظلم و تعدی سے کام لیا۔ اس رزمِ حق و باطل کا نتیجہ ہمیشہ یہی رہا کہ مومن کامیاب رہے اور وہ جنہوں نے انکار کیا اور خدا کے پیغمبروں کو جھٹلایا، ناکام ہوئے اور غم اٹھایا۔ خدا کے نیک بندے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس کے نشانات پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی توحید پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اپنی استعدادوں کے مطابق بہترین کام کرتے ہیں اور پھر (عاجزی سے) یہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے بھرپور طور پر اپنی ذمہ داریاں اور فرائض ادا نہیں کئے۔ وہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

اس کے بعد کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ حق کو جھٹلانے پر مصر رہے تو انہیں عذاب ملے گا۔ اگر وہ اپنی بداعمالیوں سے باز نہ آئے اور ظلم سے کام لیتے رہے اور سزا کی گھڑی آن پہنچی یہاں تک کہ وہ التجا کرنے لگتے ہیں کہ کاش انہیں ایک آخری موقع اصلاح کا دیا جائے۔ مگر تب تک بہت تاخیر ہو چکی ہو گی اور انہیں احساس دلایا گیا ہے کہ تکلیف اور سزا خواہ تھوڑے عرصہ کے لئے ہی ہو خاص طور پر پر آسائش زندگی گزارنے کے بعد تو وہ دوہری تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔

اس سورہ کا اختتام اس عظیم روحانی سچائی پر ہوا ہے کہ انسان بغیر کسی مقصد کے پیدا نہیں ہوا۔ اس کی زندگی کا ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ اس لئے اس کو شریعت پر شک اور خدا کے پیغمبروں سے اختلاف نہیں کرنا چاہیئے اور اس بات کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال پر اپنے رب کے سامنے جوابدہ ہے۔

☆...☆...☆

بقیہ: دربارِ خلافت..... از صفحہ 2

یہ الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہر روز لگتا ہے کہ آپ نے نعوذ باللہ دنیاوی خواہشات کی تکمیل اور اپنی بڑائی کے لئے جماعت کا قیام کیا ہے۔

بہرحال ہم جانتے ہیں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی تجدید و تکمیل اشاعت کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا تھا۔ قرآن کریم کے علوم و معارف کا فہم و ادراک آپ کے ذریعہ سے ہی ہمیں حاصل ہوا۔ آپ نے ہر موقع پر قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اس آیت قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کو مختلف مواقع پر مختلف زاویوں اور معانی کے ساتھ آپ نے پیش فرمایا اور یہی وہ باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب دلا کر، اس کا پیار ابنا کر فتنہ و فساد کی حالت سے نکالنے والی بن سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے لئے اپنی بقا کو قائم رکھنے کے لئے، اپنے ملکوں میں امن قائم رکھنے کے لئے، اسلام کی شان و شوکت کو دنیا پر ظاہر کرنے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں۔ نیک نتائج اس وقت قائم ہوں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پیروی ہو گی ورنہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا نعرہ بھی کھوکھلا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا نعرہ بھی کھوکھلا ہے۔

(خطبہ جمعہ 20/ اکتوبر 2017ء)

آج کی دعا

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي وَاَجِرْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔

ترجمہ:

''اے اللہ تعالیٰ! میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور کر دے اور مجھے شیطان (کے شر) سے پناہ میں لے لے۔''

یہ پیارے رسولِ کریم ﷺ کی غصہ کے شر سے بچنے کی دعا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو سخت غصہ میں دیکھ کر فرمایا کہ مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے جسے پڑھنے سے اس کا غصہ دور ہو جائے گا۔ وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

ترجمہ: ''اے اللہ تعالیٰ! میں راندھے ہوئے شیطان سے تیری پناہ میں آتا ہوں''۔

(ابوداؤد)

(مرسلہ: قدسیہ محمود سردار)

تبرکات

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا طریق عمل۔ تربیت اولاد کے متعلق

(حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ)

اولاد کی محبت کا جذبہ

انسانی فطرت میں جہاں بہت سے جذبات قدرت کی طرف سے ودیعت کئے گئے ہیں وہاں اولاد کی محبت کا جذبہ قریباً تمام جذبات سے زیادہ نمایاں اور زیادہ شدت سے اس میں مرکوز کیا گیا ہے۔ انسان اپنے بچوں کی خاطر دن کی دھوپ، رات کی بے خوابی، جسم کی مشقت، روح کی تکلیف سب کچھ برداشت کر لیتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ ان پر ذرا آنچ آئے۔

اولاد کی محبت کا جذبہ اگر ماں باپ میں نہ ہوتا

باپ کی شفقت اور ماں کی مامتا دنیا میں ضرب المثل ہیں۔ اس جذبہ کو قدرت نے کیوں پیدا کیا؟ اور اگر پیدا کیا تو اسے باقی تمام جذبات پر کیوں فوقیت دی۔ یہ سوال ہیں جو ہمارے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر غور کریں تو یوں حل بھی کئے جاسکتے ہیں کہ اگر اولاد کی محبت کا جذبہ ماں باپ کے دل میں قدرت کی طرف سے پیدا نہ کیا جاتا تو باغِ عالم میں انسانی وجود کا پودا بالکل مفقود ہو جاتا اور اس دنیا میں اور تو سب کچھ ہوتا مگر انسان ہاں اشرف المخلوقات انسان سے یہ دنیا خالی ہوتی۔ اور یہ زمین محض مٹی کا ایک خاموش تودہ ہوتی۔ دریا ہوتے مگر دریاؤں سے کام لینے والا کوئی نہ ہوتا۔سمندر ہوتے مگر سمندروں کو چیرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ دنیا کا مکان تو ہوتا مگر رنج کو راحت سے، افسردگی کو خوشی سے، سکون کو حرکت سے بدلنے والا یہ عظیم الشان اشرف الموجودات مکین نہ ہوتا۔ اور گو یہ زمین فرشتوں سے بھی بھر جاتی مگر خدائی صفات ستّار و غفّار و قہار کا کوئی مظہر نہ ہوتا۔ سچ ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ۔ (کشف الخفائ۔ العجلونی حدیث ۲۰۱۶)

ماں کی ممتا کا تقاضا

اس عالم سے انسان کیوں مفقود ہوتا۔ اس لئے کہ اگر والدین میں محبت کا بے نظیر جذبہ نہ ہوتا تو کبھی ماں نو مہینہ تک حمل میں بچے کو لئے لئے نہ پھرتی۔ وہ دو دن میں گھبرا جاتی۔ تھک جاتی۔ اُکتا جاتی اور کوشش کرتی کہ یہ غیر محبوب بوجھ اور ناپسندیدہ گٹھڑی مجھ سے ہٹا لی جائے۔ لیکن برعکس اس کے چونکہ خدا تعالیٰ ہونے والے بچہ کی محبت استقرار حمل کے وقت ہی اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے اس لئے گو ماں کی غذا اچھٹ جاتی ہے۔ تمام عادات میں ایک تکلیف دہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے لئے چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ دوبھر ہو جاتا ہے اور ہونے والے دردِ زہ کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ ہر ممکن طریق سے حمل کی حفاظت کرتی ہے۔ بجائے رنج کے خوشی کا اظہار کرتی ہے اور ہونے والے بچہ کے تصور کی خوشی میں مطمئن ہو کر راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر اس کے کپڑے سیتی ہے۔ کبھی لڑکی تصور کر کے اوڑھنی بناتی ہے اور کبھی لڑکا خیال کر کے کوٹ قطع کرتی ہے۔ غرض حمل کے نو (9) مہینے امید کی خوشی، تمنا کے جوش اور توقع کی جھلک کے سہارے گزار دیتی ہے اور جب وہ خطرناک وقت آتا ہے جب اپنے وقت میں ساری دنیا کی عورتوں سے افضل، سب سے پاکیزہ اور سب سے مقدس عورت بھی درد کے مارے یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا (مریم:24) کہہ اٹھتی ہے۔ اُس وقت یہ اپنی جان سے بیزار ہوتے ہوئے بھی آنے والے بچہ کی جان کی سلامتی کی دل سے متمنی ہوتی ہے۔ اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ آنے والا مہمان خیر و عافیت سے آ گیا ہے تو اپنی ساری تکلیفوں کو یکدم فراموش کر دیتی ہے اور سچ مچ اس کی فطرت اُسے آواز دیتی ہے اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا (مریم:25)۔ اور جب وہ بچہ اس کے آگے یہ کہہ کر ڈالا جاتا ہے کہ لے یہ تیرا نورِ چشم ہے۔ تو اس کی چھاتیوں سے دودھ کی دھاریں بہہ پڑتی ہیں اور قدرت کا یہ حکم سن کر فَکُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ عَیْنًا (مریم:27)۔ وہ اُسے سینہ سے چمٹا لیتی ہے۔ وہ اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی فریفتہ نہیں ہوتی۔ اس کا حسن و جمال اس کے لئے باعثِ کشش نہیں ہوتا۔ نہ وہ یہ خیال کرتی ہے کہ یہ بڑا ہو کر اُس کے لئے آرام و آسائش کا موجب ہو گا بلکہ وہ محض قدرتی جذبہ اور فطرتی خاصہ کی وجہ سے اُس پر جان دیتی ہے۔ لیکن اگر سب سے بڑا رحیم و کریم خدا اس کے دل میں بچہ کی محبت کا جذبہ ودیعت نہ کرتا اور اس کے دل میں اپنی رحمت کا پرتو نہ ڈالتا تو وہ بجائے سینہ سے چمٹانے کے اُسے پرے پھینک دیتی۔ وہ کس طرح ایک مضغہ بے عقل و ہوش ہر وقت رونے والے، ہر وقت پیشاب و پاخانہ سے بھرے ہوئے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اپنے سینہ سے چمٹا سکتی تھی۔ لیکن وہ اسے پھینکتی نہیں بلکہ اُسے سینہ سے چمٹائے چمٹائے پھرتی ہے۔ وہ خود جاگتی ہے مگر اُسے سُلاتی ہے۔ آپ بھوکی رہتی ہے مگر اُسے کھلاتی ہے۔ آپ پیاس برداشت کرتی ہے مگر اسے پیاسا نہیں دیکھ سکتی۔ وہ اس کے لئے پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ تک سات سات پھیرے کر لیتی ہے اور تھکتی نہیں۔ پھر ایک دن نہیں دو دن نہیں بلکہ پورے دو برس وہ اسے اپنا خون پلا پلا کر پرورش کرتی ہے اور اتنی تکلیف اٹھاتی ہے کہ مالک الملک کے دربار سے اُسے یہ سرٹیفکیٹ عطا ہوتا ہے۔ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ کُرْھًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْھًا ؕ وَحَمْلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا (الاحقاف:16)

یہیں تک نہیں بلکہ بچوں کے جوان ہونے تک وہ دن رات ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ پھر نہ صلہ کے لئے، نہ ستائش کی خاطر، نہ خدمت کی تمنا میں بلکہ محض فطری محبت کی وجہ سے۔

شفقتِ پدری

یہ تو ماں کی مامتا تھی۔ اب شفقتِ پدری کا حال سنو۔ وہ دیس سے پردیس جاتا ہے۔ اپنا لہو پسینہ ایک کرتا ہے۔ ریل کے قلیوں کی طرح دن رات کام کرتا ہے۔ کیوں؟ صرف بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے۔ ان کی تربیت کے لئے۔ ان کی تعلیم کے لئے۔ ان کی شادی بیاہ کے لئے۔ وہ اپنی آسائش پر ان کی آسائش مقدم کرتا ہے اور ان کے آرام کے لئے اپنا آرام قربان کر دیتا ہے۔ صرف آرام ہی نہیں بلکہ وہ بابر کی طرح اپنے ہمایوں پر اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ کیوں؟ کیا کسی دنیوی منفعت کے لئے؟ یا کیا کسی ذاتی لالچ یا حرص کے خیال سے؟ نہیں۔ بلکہ محض فطری جذبہ اور قدرتی خاصہ سے۔ سچ ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ (الروم:31)

بچوں کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے کی غرض

پس دنیا کو چلانے کے لئے اور اس دنیا میں خدا کی ایک مکلف ذی العقل، مختار مخلوق کو آباد کرنے کے لئے ان کی پیدائش، پرورش، تربیت اور تعلیم کو قائم کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا کہ ماں باپ کے دل میں بچوں کی محبت کا جذبہ پیدا کیا جاتا۔ اور پیدا بھی اس طرح کیا جاتا کہ وہ سب جذبوں سے فوقیت رکھتا۔ غرض یہ جذبہ نہایت مفید، نہایت ضروری اور نہایت بابرکت جذبہ ہے کہ اس کی برکت سے آج دنیا آباد ہے۔

غلط استعمال

لیکن جس طرح ہر جذبہ جو خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔ لوگوں کے غلط اور ناجائز استعمال سے بعض دفعہ بُرے نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ جذبہ بھی آج کل بہت سے بُرے نتیجے ہمارے سامنے پیدا کر رہا ہے۔ جاہل مائیں، ناعاقبت اندیش باپ اولاد کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ بے جا لاڈ اور غلط پیار سے بچے بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جاہل رہ جاتے ہیں۔ ساری عمر آوارہ گردی میں بسر کرتے ہیں اور دنیا کے لئے بجائے مفید ہونے کے ایسے نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہوتے ہیں کہ خواجہ خضر بھی ڈر جاتے ہیں اور کہتے ہیں فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا (الکھف:81)۔ پھر سوائے سر کاٹنے کے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا۔

عقلمند انسان کا کام

ایک عقلمند انسان نہ تو اس جذبہ سے خالی ہو کر بے رحم بننا چاہتا ہے۔ نہ اس میں غلو کر کے اپنی اولاد کو تباہ کرنا چاہتا ہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے کوئی کامل نمونہ ملے تا کہ میں اس کی پیروی کر کے اس جذبہ کو صحیح استعمال کرسکوں۔

کامل نمونہ

پس خدا جو کہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اُس نے انسان کی اس فطری خواہش کو ضائع نہیں جانے دیا بلکہ اس نے ہر زمانہ میں اپنے نبی بھیج کر ان کو دنیا کے لئے فطری جذبات کے استعمال میں نمونہ بنایا۔ اور ہم چونکہ اس آخری زمانہ میں ہیں اور ایسے وقت میں ہیں کہ سب نبیوں کی قومیں ایک سٹیج پر جمع ہیں اس لئے ہمارے لئے وہ انسان نمونہ بنایا گیا جو سب کا خاتم یعنی سب نبیوں کا جامع ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب:22) فرمایا۔ پس آؤ۔ ہم سب اس کی زندگی میں اولاد کی محبت کے جذبہ کو کام کرتے ہوئے دیکھیں اور اس پر عمل کر کے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو

دنیا کے لئے بابرکت بنائیں۔

رسولِ کریمؐ کا طریقِ عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی اولاد عطا کی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ اور جو کچھ تربیت اور سلوک آپؐ نے اپنی اولاد سے کیا وہ کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اس میں سے مختصراً بطور اشارہ چند امور ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

ابتداء سے بچہ کی تربیت

سب سے بڑی وجہ بچوں کے خراب ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ ماں باپ بوجہ قدرتی محبت اور فطری پیار کے، جب تک بچہ نادانی کے عالم اور بے سمجھی کے زمانہ میں ہوتا ہے، اُس کی تربیت اور اخلاق کی درستی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نادانی کی حالت اور بے سمجھی کا زمانہ کہہ کر اسے معذور قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب بدعادات راسخ ہو جاتی ہیں اور بُرائیوں کی جڑ مضبوطی سے بچے کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے اور بچہ نادانی سے نکل کر سمجھ کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو اُس وقت والدین ان عادات کو دور کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اُس وقت ان عادتوں کا دور کرنا ماں باپ کے اختیار کی بات نہیں رہتا کیونکہ جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو وہ اپنی سمجھ سے کام لے کر ہی چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکتا ہے۔ اس وقت ماں باپ کے فعل کا کوئی دخل نہیں رہتا۔

مباشرت کے وقت کی دعا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابتداء سے بچہ کی تربیت کی۔ اور نہ صرف خود کی بلکہ اپنی امت کو سکھایا کہ یوں تربیت کریں۔ آپؐ جب اپنی بیوی کے پاس جاتے تو فرماتے: بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّیۡطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیۡطٰنَ مَا رَزَقۡتَنَا (بخاری کتاب الوضوء) یعنی الٰہی! اگر اس فعل مباشرت سے تیرے علم میں ہمیں کوئی بچہ عطا ہونے والا ہے تو ہمیں اس وقت گندے شہوانی خیالات سے بچا اور تمام بُرائیوں کے خیالات سے ہمارے دل و دماغ کو محفوظ فرما تا کہ ہمارے اس وقت کے بُرے خیال کا اثر ہونے والے بچے کے دل و دماغ پر نہ پڑے۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بچہ کی تربیت اُس وقت سے شروع کی جبکہ بچہ ابھی باپ کی صلب سے ماں کے رحم میں بھی نہیں گیا ہوتا۔ کیونکہ علم النفس کے ماہرین کی متفقہ شہادت سے یہ امر ثابت ہے کہ بچہ کے اخلاق پر ماں باپ کے خیالات اور جذبات کا بہت اثر ہوتا ہے۔ اگر مباشرت کے وقت اور ایامِ حمل میں ماں باپ میں بُرے جذبات جوش زن ہوں گے تو لامحالہ بچہ کے خیالات بھی بُرے ہوں گے اور اگر ان ایام میں ماں باپ کے خیالات میں تسکین اور صفائی ہو گی تو لازماً بچے کا دماغ تمام کدورتوں اور ناجائز جوشوں سے خالی ہو گا۔

بچہ کے پیدا ہونے پر

پھر جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہتے۔ یہ محض ایک رسم نہیں بلکہ باوجود اذان اور تکبیر کے الفاظ کے نہ سمجھنے کے بچہ لازماً ان کلمات طیبات کی پاکیزگی سے متاثر ہو گا اور اس کے دماغ پر ان کلمات کے پاکیزہ مفہوم کا پاک اثر ساری عمر کے لئے قائم رہے گا۔

گھٹی دیتے وقت کی دعا

پیدائش کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی خوراک یعنی گھٹی دیتے وقت برکت کی دعا کرتے۔ اور یہ نہایت ضروری اور بابرکت فعل ہے۔ کیونکہ خدا کے ہاں اس بزرگ تر خدا کی مدد کے بغیر کوئی تربیت اور کوئی اصلاح قائم نہیں ہوسکتی۔

بچہ کا عقیقہ

پھر ساتویں دن آپ عقیقہ کرتے اور بچہ کی طرف سے قربانی دیتے۔ اس کے سر کے بالوں کو تول کر ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کر دیتے۔ اس سے یہ ظاہر کرتے کہ پیدا ہونے والے بچہ کے اخلاق کی تربیت لازمی ہے۔ محض اسے کھلانا پلانا اور آرام سے رکھنا ہی ضروری نہیں۔ کیونکہ کھا پی کر تو یہ محض حیوان ہو گا اور اگر حیوان بنانا ہی مقصود ہوتا تو حیوان تو وہ جانور بھی تھا جو اس کے لئے قربان کر دیا گیا۔ پس جانور کی قربانی دے کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہم نے اس بچہ کو بااخلاق اور باخدا بنانا ہے۔ محض کھلا پلا کر موٹا کر کے دنبہ نہیں بنانا۔ اگر دُنبہ بنانا مقصود ہوتا تو ایک پلے پلائے دُنبہ کو اس ہفت روزہ بچے کے لئے کیوں ذبح کرایا جاتا۔ اس کی بجائے بچہ ہی کو ذبح کر کے دُنبہ کو کیوں نہ گھر میں باندھ لیا جاتا۔ پھر بالوں کے ہم وزن چاندی تول کر کیوں صدقہ کی جاتی ہے؟ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس بچہ کی تعلیم و تربیت میں یہ مدنظر نہیں رکھا جائے گا کہ یہ بڑا ہو کر محض دنیا کمائے اور اس کی زندگی کا مقصود اس کے علم کا منتہیٰ اور اس کی تمام محنتوں کا مرکز مال ہو۔ کیونکہ مال یعنی چاندی سونا تو ایسی حقیر چیزیں ہیں کہ اس کے بالوں، ہاں! کاٹ کر پھینک دیئے جانے والے بالوں کے برابر بھی نہیں۔ پھر یہ خود کس طرح محض سونے اور چاندی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض تو خدا کا حصول اور اس کی تربیت کا مقصود دین اور روحانیت کا حاصل کرنا ہے۔

ختنہ

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی روز لڑکوں کا ختنہ کرتے تا یہ ظاہر کریں کہ جس طرح بچہ کی باطنی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھنا ماں باپ کا فرض ہے اسی طرح اس کے جسم کی درستی اور صحت کا خیال رکھنا بھی ان پر واجب ہے۔

ایام رضاعت میں صفائی کا خیال

پھر ایام رضاعت میں بعض لوگ بچوں کی ظاہری صفائی کا خیال نہیں کرتے۔ نہ ان کے باقاعدہ نہلانے کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر کا اثر باطن پر اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے ساری عمر کے لئے ایسے بچے صفائی اور نہانے کے پابند نہیں رہتے۔ بلکہ بعض بچوں کو مٹی میں کھیل کھیل کر مٹی کھانے کی نہایت خطرناک اور مضر صحت عادت پڑ جاتی ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایام رضاعت میں اپنے بچوں کی صفائی کا نہایت اہتمام سے خیال فرماتے۔ بخاری میں آتا ہے آپؐ اپنے صاحبزادہ ابراہیم کو دیکھنے کے لئے اس کی دایہ کے گھر تشریف لے جاتے اور بچہ کو منگا کر پیار کرتے اور اُسے سونگھتے۔ اس سونگھنے سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صفائی کا کس قدر خیال تھا۔ ہوسکتا ہے کہ بچہ دیکھنے میں صاف ستھرا معلوم ہو مگر سونگھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسے پوری طرح صفائی سے نہلایا گیا ہے یا نہیں۔ اس لئے آپؐ صرف دیکھنے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اچھی طرح سونگھ کر معلوم کرتے کہ بچہ کو صاف ستھرا رکھا جاتا ہے یا نہیں۔

بچہ کی بہتری کے لئے ماں سے علیحدگی

اسی طرح اگر بچہ کی بھلائی اور اس کی روحانی یا جسمانی تربیت کے لئے بچہ کو اس کی والدہ سے الگ کئے جانے کی ضرورت پڑے تو بہت سی مائیں بچہ کی اخلاقی تباہی برداشت کر لیں گی مگر اپنے سے جدا نہ کریں گی۔ حالانکہ یہ محض حماقت اور جہالت کا اظہار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بچے ابراہیم کو ایک لوہار کے سپرد کیا کہ اس کی بیوی اس کو دودھ پلایا کرے اور بچہ کی صحت کی خاطر اسے گھر سے باہر بھیج دیا۔ حالانکہ اس وقت آپؐ کے صاحبزادہ کی عمر صرف دو ماہ کی تھی۔ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ بچہ کے وجود سے یہ غرض نہیں کہ وہ ہمارا کھلونا بنے اور صرف ہمارا دل بہلانے کے لئے اور چومنے چاٹنے کے لئے ہمارے پاس موجود رہے۔ بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی ہمارے پاس ایک امانت ہے۔ ہمیں اس سے وہی سلوک کرنا چاہئے جو اس کی جسمانی اور روحانی تربیت کے لئے ضروری اور مفید ہو۔ یورپ کی مادی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ یورپین عورتیں ہندوستان میں اپنے خاوندوں کے ساتھ رہتی ہوئی اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیتی ہیں۔ یا آپ یورپ میں رہتی ہوئی ملازمت کے لئے اپنے نوجوان بچوں کو ہندوستان بھیج دیتی ہیں مگر عام طور پر ہندوستانی مائیں ایک لمحہ کے لئے بچوں کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔

رضاعت کے بعد بچہ کی حالت

پھر جب بچہ ایام رضاعت ختم کرتا ہے تو وہ کھانے پینے کے معاملہ میں کسی قانون کی پابندی اور کسی آئین کی حد کے اندر نہیں رہنا چاہتا۔ وہ جب چاہتا ہے کھاتا ہے اور جہاں سے ملے کھالیتا ہے۔ اُسے اپنے پرائے، حلال و حرام، مفید اور غیر مفید کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور والدین محبت سے مغلوب ہو کر کم عمری کو بہانہ اور ناسمجھی کو عذر بنا کر اس کی تمام حرکات سے درگزر کرتے ہیں۔ وہ بجائے دائیں سے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ دسترخوان پر اس کا ہاتھ سب برتنوں میں پڑتا ہے۔ وہ بدتمیزیاں کرتا ہے۔ مگر بجائے اصلاح کے والدین ان حرکات سے خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ آج اگر اصلاح نہ کی گئی تو آئندہ بھی اصلاح کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ عادت کیا ہے؟ ایک پودا ہے۔ اگر آج نہ اکھیڑو گے تو پھر جڑ پکڑ کر بغیر کلہاڑے کے نہ اُکھڑے گا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بچوں کی تربیت میں ان تمام امور کا خیال رکھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے کھیلتے کھیلتے زکوٰۃ کی کھجوروں کے ڈھیر سے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپؐ نے فوراً ان کے منہ سے نکال کر پھینک دی اور کہا کہ کخ کخ یعنی چھی چھی چھی۔ پھر ایسا نہ کرنا۔ کیا تو نہیں جانتا کہ صدقہ ہمارے خاندان کے لئے جائز نہیں۔ اگرچہ اُس وقت امام حسنؓ کی عمر تین چار سال کی تھی لیکن آپؐ نے درگزر نہیں کیا بلکہ فوراً روک دیا اور نہ صرف روکا بلکہ تعلیم دے کر اور سمجھا کر روکا۔

اسی طرح آپؐ کا ربیب ابن ابی سلمہ آپؐ کی گود میں بیٹھ کر آپؐ کے ساتھ کھانا کھانے لگا اور اس کے ہاتھ برتن کے چاروں طرف پڑنے لگے۔ تو آپؐ نے فرمایا: بچے بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور برتن میں صرف اپنے آگے سے کھانا لو۔ سارے برتن میں ہاتھ نہ ڈالو۔

جب بچہ باتیں کرنا سیکھتا ہے

اسی طرح بہت سے ماں باپ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے بچے کے منہ سے کیا کلمات نکلتے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ جلدی بولنا سیکھے۔خواہ وہ گالیاں ہی سیکھے۔ چنانچہ ہر طبقہ کے بہت سے والدین اپنے بچہ کو توتلی زبان میں دوسروں کو گالیاں دیتے سن کر بھی خوش ہوتے ہیں بلکہ تحریک کرتے ہیں کہ وہ یہ فعل کرے تا کہ مجلس میں ہنسی اور خوشی کی ایک لہر پیدا ہو۔ مگر یہ خود اپنے ہاتھ سے بچہ کو تباہ کرنا ہے۔ عقلمند شخص وہ ہے جو یہ سمجھے کہ بچے نے زبان سیکھ کر بولنا تو بہرحال ہے۔ پھر خود ہی کیوں نہ اسے ایسی باتیں سکھائی جائیں جو اچھی اور نصیحتوں پر مبنی ہوں۔حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے ایک فقرہ حفظ کرایا تھا جو ابھی تک یاد ہے اور وہ یہ ہے:دَعْ مَا یَرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یَرِیْبُكَ (سنن النسائی کتاب آداب القضاۃ) یعنی چھوڑ دے وہ بات جو بُری اور شبہ والی ہو اور اختیار کرو وہ بات جو اچھی اور شبہ سے پاک ہو۔

دیکھو!رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا صحیح طریق اختیار فرمایا۔ آپؐ نے دیکھا کہ آپ کا نواسہ بولنے لگ گیا ہے۔ اگر اچھے کلمات نہ سکھائے تو بُری باتیں یا فضول فقرے منہ سے نکالے گا۔ اس لئے آپؐ نے مختصر اور چھوٹا سا جملہ یاد کرا دیا۔ جو آئندہ کے لئے حضرت امام حسنؓ کے ہمیشہ کام آیا۔ اسی طرح آپ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو دعائیں سکھاتے تھے۔

بچوں سے پیار

پھر جس طرح بچوں کے اخلاق کی نگرانی کرنے اور ان کو بُرائیوں سے روکنے کے لئے تنبیہ کی ضرورت ہے اسی طرح ان سے پیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص بچے سے پیار نہیں کرتا، بچے کو بھی اُس سے اُنس نہیں پیدا ہوتا۔ اور جب تک اُنس نہ ہو بچہ پر کبھی اُس کی باتوں کا اثر نہ ہوگا۔ اس لئے جو باپ نہایت بدمزاج ہو، اپنے بچوں سے پیار نہ کرتا ہو بلکہ ہر وقت ان سے سختی سے پیش آتا ہوں وہ بچوں کی نظر میں ایک ہوّا ہوتا ہے اور کبھی بھی وہ بچوں کی صحیح تربیت نہیں کرسکتا۔ اس لئے بچوں سے نرمی اور لطف سے پیش آنے کے علاوہ پیار و محبت سے بھی پیش آنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بچوں کو پیار کرتے تھے۔ ان کو گودی میں اُٹھاتے تھے۔ ان کا دل بہلاتے تھے۔ حالانکہ اس وقت کے جاہل عربوں کے نزدیک یہ امر وقار کے خلاف تھا۔

ایک شخص نے آپؐ سے اپنے نواسہ سے پیار کرتے ہوئے دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! میرے دس لڑکے ہیں مگر میں نے کبھی انہیں پیار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیرے دل سے اللہ شفقت نکال لے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ اس فقرہ سے معلوم ہوا کہ پیار ایک طبعی امر ہے اور جو اپنے بچوں کو پیار نہیں کرتا وہ صاحبِ وقار نہیں بلکہ قسی القلب ہے۔ آپؐ سجدہ کی حالت میں ہوتے اور آپؐ کا کوئی بچہ آپؐ کی پشت پر سوار ہو جاتا تو آپؐ توقف فرماتے اور جب وہ اُترتا تو سجدہ سے سر اُٹھاتے۔ آپؐ نے ایک دفعہ اپنی نواسی امامہؓ کو گود میں لے کر نماز پڑھی۔ جب سجدہ میں جاتے تو اُسے اُتار کر بٹھا دیتے۔ پھر اُٹھتے تو اٹھا لیتے۔ آپؐ سفر میں ہوتے تو اپنے چھوٹے رشتہ دار بچوں کو اپنے ساتھ باری باری سوار کرتے۔غرض بچوں سے صرف تنبیہ اور صلاح ہی کا معاملہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ تو یتیم خانہ کے کارکن بھی کرنا جانتے ہیں بلکہ پیار اور محبت بھی ضروری امر ہے۔ کیونکہ ایک یتیم اور غیر یتیم میں یہی فرق ہے کہ یتیم کی تربیت اور اصلاح اور نصیحت کے لئے ساری دنیا موجود ہے۔ مگر ہائے افسوس کہ کوئی ایسا نہیں جو اسے گود میں اٹھا کر اپنے سینہ سے چمٹا سکے۔ یہ ایک فطری معاملہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بچے کو کھانے کو دو، کپڑے پہناؤ، اس کی فرمائش پوری کرو، اُسے کھلونے لے دو، سب کچھ کرو، بے شک وہ خوش ہوگا مگر جب اُسے گود میں اٹھا کر پیار کرو تو پھر دیکھو وہ کس فخریہ حالت میں ہوگا۔ اُس وقت بچہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ اس فعل سے بچوں کی خوشی، ان کی صحت، ان کے قویٰ، ان کے جذبات میں ایک نمایاں ترقی ہوتی ہے۔ بچوں پر پیار وہی اثر کرتا ہے جو کھیتی سے پانی۔

بچوں کی توقیر

پھر بعض لوگ یہ سمجھ کر کہ ہم باپ ہیں اس لیے بچہ کو ہم جو بھی بُرا بھلا کہیں جائز ہے۔ اُسے چوں و چرا نہیں کرنی چاہئے۔ یہ سب ٹھیک ہے۔ سعادت مند بیٹے ہم نے ایسا ہی کرتے دیکھے ہیں۔ مگر والدین کو خود ان کی عزت کا خیال کرنا چاہئے۔حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب برالوالد والاحسان) یعنی اے لوگو! اپنے بچوں سے عزت سے پیش آیا کرو۔بعض نوجوان صرف اس لئے باپ کا مقابلہ کرتے اور نافرمان بن کر دین و دنیا کی تباہی خرید لیتے ہیں کہ باپ اپنے باپ ہونے کے زعم میں ان سے بات چیت میں وہ سلوک کرتے ہیں جسے بچے اپنے دوستوں کی نگاہ میں اپنے لئے باعثِ ذلت سمجھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ جب اپنے گھر سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر تشریف لے جاتیں تو آپؐ کھڑے ہو کر ملتے اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتے۔ اپنا تکیہ ان کو دیتے۔ کیا اس سے بڑھ کر اولاد کی عزت کی کوئی مثال ہے؟

بے جا حمایت سے پرہیز

پھر جب بچے ذرا بڑے ہوتے ہیں اور کوئی بے عنوانی ان سے سرزد ہو اور لوگ ان کے ماں باپ کو اس کی رپورٹ کریں تو عموماً لوگ بجائے اپنی اولاد کو سمجھانے یا ملامت کرنے کے شکایت کرنے والوں سے لڑنے جھگڑنے لگتے ہیں اور اپنی اولاد کی طرف سے غلط ڈیفنس پیش کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں نکلتا کہ ان کی اولاد اور زیادہ بگڑتی ہے۔ کیونکہ بچے دیکھتے ہیں کہ ہم لڑائی اور شرارت کر کے آئے مگر بجائے ملامت کرنے کے ماں باپ نے ہماری حمایت کی۔ اس لئے عقلمند شخص وہ ہے جو کبھی اپنی اولاد کی ناجائز حمایت نہ کرے بلکہ اگر ثابت ہو جائے کہ واقعہ میں اس کے بچے کا قصور ہے تو ضرور اسے سزا دے یا دلائے۔ تا کہ آئندہ کے لئے اصلاح ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک عورت نے چوری کی۔حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔ وہ معزز خاندان کی عورت تھی۔ اس کی برادری کے لوگ سفارش لے کر پہنچے۔ آپؐ نے سفارش کرنے والے سے فرمایا:لَوْسَرَقَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ یَدَهَا (سنن نسائی کتاب قطع السارق) یعنی اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کی رعایت نہ کرتا بلکہ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

بچے کے مرنے پر جزع فزع

یہ تو محبت کے تعلقات اور محبت کی باتیں تھیں۔ اب افسوس اور رنج کا حال بھی سنو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کا کوئی بچہ فوت ہو جائے تو وہ صبر نہیں کرتے۔ اور جو جزع فزع شریعت کے رُو سے حرام ہے، اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کا دل خدا کے خلاف غیظ وغضب سے پُر، ان کی زبان شکوہ کا ایک کھلا ہوا دفتر ہوتی ہے اور ان کی حرکات خدا کو ایک چیلنج دیتی ہیں۔ مگر کیا یہ طریق عمل اُس مالک الملک کے حق میں ایک عاجز بندہ کے لئے مناسب ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ بے شک اس کا لختِ جگر اُس سے چھین لیا گیا۔ اس کا دل اس کے سینہ کے اندر سے پکڑ کر باہر نکال لیا گیا۔ مگر غور تو کرو کس نے ایسا کیا؟ اُسی نے جس نے وہ عطا کیا تھا۔ اگر حقیقت یہی ہے تو پھر شکوہ کیسا۔

باطل ضبط نفس

یہ تو دنیا کے ایک بہت بڑے طبقہ کی حالت ہے لیکن برخلاف اس کے بعض جھوٹے وقار اور باطل ضبط نفس والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بچوں کے مرنے پر لوگوں کے سامنے رنج کا اظہار یا آنکھ کے آنسو اپنے لئے باعثِ توہین و بزدلی سمجھتے ہیں۔ مگر کیا یہ سخت دلی نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔ آؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھیں۔ آپؐ کے بچے آپؐ کے سامنے فوت ہوئے۔ جوان بھی، چھوٹے بھی، لڑکیاں بھی لڑکے بھی۔ مگر جو نمونہ آپؐ نے دکھایا وہ نہایت بے نظیر مگر نہایت ہی قابلِ تقلید ہے۔ آپؐ کا صاحبزادہ ابراہیم جب فوت ہوا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔عبدالرحمن بن عوف نے کہا:یا رسول اللہ! آپؐ بھی روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا:عوف کے بیٹے! یہ ایک رحمت ہے جو خدا نے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل تیرے فراق سے اے ابراہیم غمگین ہے۔ پھر ہم نہیں زبان سے کہتے مگر وہی بات جو ہمارے رب کی رضامندی کا باعث ہو۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز)

سبحان اللہ کیا صبر ہے ہمارے سیّد و مولا کا کہ آپؐ کا بڑھاپے میں اکلوتا بیٹا فوت ہوتا ہے مگر زبان شکوہ سے خالی، حرکات جزع فزع سے پاک، دل باوجود غمگین ہونے کے خدا تعالیٰ کی رضا سے پُر ہے۔ آپؐ کی ایک بیاہی ہوئی بیٹی فوت ہوئی۔ آپؐ نے کمال صبر و تحمل سے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور جب جنازہ قبر میں اُتارا گیا تو آپؐ کے آنسو بہنے لگے۔غرض جو صبر کا نمونہ آپؐ نے دکھایا وہ ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ جو نہ دل کی سختی پر اور نہ خدا کے شکوہ پر مبنی ہے بلکہ عین فطرت صحیحہ اور تعلق باللہ پر دلالت کرتا ہے۔

بعض متفرق باتیں

اولاد کے معاملہ میں بعض متفرق باتیں بھی ہیں۔مثلاً اولاد میں جفاکشی، ایثار اور اخلاق کا جذبہ پیدا کرنا بھی والدین کا فرض ہے۔ اگر بچے کی ہر بات میں فرمائش پوری کر دی جائے تو یقیناً ایسا بچہ بڑا ہو کر ضدی اور آرام طلب ہو گا۔ وہ ایثار کا نمونہ نہ دکھا سکے گا۔ نہ وہ جذبات کے روکنے کے موقع پر اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے گا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس امر کا بہت خیال رکھا ہے۔مثلاً ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا کہ مجھے چکی پیسنے، کنوئیں سے پانی لانے اور گھر کے دوسرے بہت سے کام کرنے کی وجہ سے بہت تکلیف ہے۔ حتّٰی کہ میرے ہاتھوں میں چھالے بھی پڑ جاتے ہیں۔ مجھے کوئی لونڈی یا کوئی غلام عنایت کیا جائے۔ آپؐ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ درخواست جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ سنی تو رات کو حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو مشقت اور ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے فرمایا کہ بیٹی! آؤ تم کو ایسی بات سکھاؤں جو لونڈی اور غلام سے مستغنی کر دے۔ اور فرمایا: ہر نماز کے بعد 33-33 بار سبحان اللہ۔ الحمدللہ اور اللہ اکبر کہہ لیا کرو۔ کیا کوئی بادشاہ آج ہے جو اپنی اولاد میں ایثار اور جفاکشی کی یہ روح پیدا کرتا ہو۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ معاذ اللہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت فاطمہؓ کی امداد سے مضائقہ تھا۔ کیونکہ آپؐ نے صفا پر چڑھ کر جو مکہ والوں کے لئے ایک اعلان عام کیا تھا

اس میں اپنی بیٹی فاطمہؓ کو مخاطب کر کے یہ بھی فرمایا تھا کہ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتَ مِنْ مَالِیْ (بخاری کتاب التفسیر) یعنی جب تجھے ضرورت پڑے جتنا بھی میرا مال ہوگا تو مانگے گی تو مَیں تجھے دوں گا۔ اسی طرح آپؐ ہی کی زبان فیض ترجمان کے ذریعہ یہ الٰہی قانون شائع کیا گیا کہ آپؐ کی اولاد پر صدقہ اور زکوٰۃ حرام ہے تا کہ وہ خود کما کر کھائے۔ اسی طرح اکثر والدین اولاد کی ظاہری خوشی کافی سمجھتے ہیں خواہ ان کی اخلاقی اور روحانی حالت کیسی ہی ہو۔ مگر آپؐ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا (مسلم کتاب الزکوۃ) یعنی الٰہی! میری اولاد کو گزارے کے قابل رکھیو۔ کہ نہ تو وہ کسی کی محتاج ہو اور نہ روپیہ کی افراط سے دنیا کے عیش وعشرت میں مبتلا ہو جائے۔ اسی طرح بعض لوگ اولاد کی خاطر دوسروں پر ظلم کرتے اور ناحق لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خواہ نصیحت کے طور پر کسی کے بچہ کو تھپڑ مارے۔ وہ اسے قتل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور یہ جذبہ بھی بہیمی اور حیوانی ہے۔ مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی زینب کو ہجرت کرتے ہوئے دورانِ سفر میں ابن ہبیرہ نے پتھروں سے زخمی کیا جس کے نتیجہ میں اسقاط سے ان کی وفات ہو گئی۔ دیکھو کیسا ظلم عظیم ہے کہ تیرہ سو برس سے زیادہ عرصہ اس پر گزر گیا مگر ہر دفعہ جب یہ واقعہ کوئی پڑھتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے قیاس کرو کیا حال ہوا ہوگا رقیق القلب باپ کا۔ جب اس نے یہ حادثہ سنا ہوگا اور جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی پیاری بیٹی نے دم توڑا ہوگا۔ مگر قربان جایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ فتح مکہ کے بعد جب ابن ہبیرہ مسلمان ہو کر سامنے آیا تو آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔ کیوں؟ کیا اس لئے کہ یہ جرم قابلِ پرسش نہ تھا؟ یا اس لئے کہ ابن ہبیرہ کے قتل پر آپؐ قادر نہ تھے؟ یا اس لئے کہ زینبؓ سے آپؐ کو محبت نہ تھی؟ نہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ آپؐ کا یہ ارشاد تھا کہ اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا قَبْلَہٗ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ) یعنی اسلام لانے سے پہلے کے تمام جُرم اسلام مٹا دیتا ہے۔ پس اس صداقت اور اس سچے اور پاکیزہ اصل نے آپؐ کے جذبہ محبت کو دبا دیا اور باوجود ملک عرب کے بادشاہ ہونے کے اپنی لختِ جگر کے قاتل کو آپؐ نے معاف کر دیا۔

پھر دیکھو کہ آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دنیا میں یہ دستور تھا کہ بادشاہ کی وفات پر اُس کا بیٹا تخت نشین ہوتا۔ بلکہ اب بھی دنیا کے اکثر ممالک میں یہی دستور ہے۔ لیکن کیا یہ دستور بہتر ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ لائق ہو مگر بیٹا نالائق اور ناقابل ہو۔ لیکن اولاد کی محبت نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے۔ اس لئے بادشاہ کے بعد اس کا بیٹا بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ صرف دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے بادشاہ ہیں کہ آپؐ نے اس بدرسم کو ترک کر دیا۔ آپؐ کے بیٹوں کی طرح پیارے نواسے موجود تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا داماد موجود تھا مگر بادشاہ کون ہوا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ کہ جن کے باپ کو سن کر یقین نہ آیا تھا کہ ان کے بیٹے کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے لوگ بادشاہ تسلیم کر چکے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کے متعلق جو عمل کیا وہ ہمارے لئے واجب العمل اور اس پر عمل کرنے سے ہماری اولاد کی زندگی درست اور ان کے اخلاق اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ اس امر کا زبردست ثبوت یہ ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپؐ کی لڑکی سیّدۃ نساء الجنۃ اور امام حسنؓ اور حسینؓ سیّد اشباب الجنۃ ہوئے۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ج اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ O (الاحقاف:16)

(الفضل قادیان 6نومبر 1932ء)

بقیہ: مباحثات ومناظرات ضلع چکوال .....از صفحہ 8

صاحب نے دس منٹ تقریر کی جس میں قرآن کریم سے کوئی دلیل جناب مرزا صاحب کے دعوے کے خلاف پیش نہ کی۔ صرف حدیث ''یُدْفَنُ مَعِی فِی قَبْرِی'' پیش کر کے بیٹھ گئے۔ ملک عبدالرحمٰن خادم نے ان کی اس دلیل کا نہایت مدلل جواب دیا اور کہا کہ وہ کون سا مسلمان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو اُکھیڑے گا۔ نیز حضرت عیسیٰؑ کا رسولِ کریم ﷺ کی قبر میں مدفون ہونا اس لئے بھی باطل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو رویا دیکھی تھی۔ اس میں رَئَیْتُ ثَلَاثَۃَ اَقْمَارٍ سَقَطِیْنَ فِی حُجْرَتِی لکھا ہے کہ میں نے تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے۔ اور تینوں چاند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس حجرہ میں گر چکے ہیں۔ اب اگر حضرت مسیحؑ بھی اس میں مدفون ہوں۔ تو پھر حضرت عائشہؓ کا خواب غلط ہو جاتا ہے۔ پھر جس جگہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث زیرِ بحث میں حضرت مسیحؑ کی قبر کی تعین فرمائی ہے۔ وہ ''بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ'' ہے۔ حالانکہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبر کے درمیان کوئی جگہ خالی نہیں۔ لہٰذا آپ کا اعتراض باطل ہے۔ حدیث مذکور کے مدلل اور اکمل جواب دینے کے بعد ملک عبدالرحمٰن خادم نے قرآنِ کریم سے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کے لئے آیات پیش کیں ''یُدْفَنُ مَعِی فِی قَبْرِی'' مولوی صاحب سے کوئی جواب بن نہ آیا۔ تو نہایت مضطرب ہو کر فرمانے لگے ''قَبْرًا'' بمعنی مقبرہ ہے۔ اس پر ملک صاحب نے مولوی صاحب کو چیلنج دیا اور 20روپیہ انعام بھی مقرر کیا کہ مولوی صاحب کسی لغات میں سے قبر کے معنی مقبرہ دکھائیں۔ مگر مولوی صاحب قطعاً جواب نہ دے سکے۔ اس مسکت جواب پر مولوی صاحب نے ''یُدْفَنُ مَعِی فِی قَبْرِی'' کی حدیث چھوڑ کر ایک اور حدیث پیش کی کہ ''نبی جہاں مرتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے'' لیکن مرزا صاحب اپنے مقامِ وفات لاہور میں مدفون نہ ہوئے۔ ملک صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث کا ایک راوی الحسن بن عبداللہ ہے جس کے متعلق لکھا ہے ''قَالَ الْبُخَارِیْ اَنَّہٗ کَانَ یتھم بالزندقہ'' حاشیہ علامہ سندھی بر حاشیہ ابنِ ماجہ صفحہ 256۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ زندیق اور متروک ہے۔ پھر حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کا بعد از وفات دوسری جگہ لے جا کر مدفون ہونا کتب اہلِ سنت سے دکھایا۔ مولوی محمد احسن نے اپنے عالم ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر ملک صاحب نے ان کی عربی غلطیاں، اور صرفی نحوی کمزوریاں واضح کر کے ان کو لاجواب کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی سخت گھبرا گئے اور ان کے منہ سے درست الفاظ بھی نہ نکلتے تھے حتیٰ کہ ''یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ کو ''تَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ'' پڑھنے لگے جس سے ان کی عربی دانی کی حقیقت طشت از بام ہوگئی حتیٰ کہ مولوی صاحب دورانِ تقریر مفرور ہوگئے۔

راجہ محمد اسلم خان۔ راجہ محمد مختار خان صاحبان نے انتظامِ جلسہ میں غیر معمولی دلچسپی سے حصہ لیا۔ خاکسار شیر بہادر خان صوبیدار زحمتی۔

(اخبار الفضل قادیان دارالامان مورخہ 20/اگست1929ء)

(تاریخ احمدیت جلد 5جدید ایڈیشن صفحہ 165)

چھمبی میں کامیاب مباحثہ

تحصیل پنڈ دادنخان میں 12/اگست جماعتِ احمدیہ و اہلِ سنت مسلمانوں کے درمیان ''صداقتِ مسیح موعود'' اور ''وفاتِ مسیح ناصری'' پر مناظرہ قرار پایا۔ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی مناظر تھے اور اہلِ سنت کی طرف سے سید لال شاہ۔ پہلا مناظرہ ''صداقتِ مسیح موعود علیہ السلام'' کے مسئلہ پر 2بجے دن سے لے کر 5بجے تک ہوا۔ ملک عبدالرحمٰن نے اپنی پہلی نصف گھنٹہ کی تقریر میں قرآن کریم کی سات آیات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت کی اور متعدد کتب حدیث سے دکھایا کہ مسیح موعودؑ کے ظہور کا وقت گزر چکا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود نہیں جیسا کہ مخالف مولویوں کا خیال ہے تو اس سے نعوذ باللہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعودؑ صادق ہیں۔ آپ نے حضرت مسیح موعود کی صداقت کو قرآن شریف اور احادیث سے روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا۔

سید لال شاہ نے اپنی تقریر میں ملک صاحب کی ایک دلیل کو توڑنا تو کجا ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور ایک رسالہ مصنفہ منشی پیر بخش لاہوری کو ہی پڑھتے رہے۔ اور پھر احمدی مناظر کی مضبوطی دیکھ کر آپ نے ''صداقتِ مسیح موعود'' کے مسئلہ میں ختمِ نبوت کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ مگر ختمِ نبوت کے مسئلہ پر بھی ان کو ایسی زبردست شکست ہوئی کہ غیر احمدی پبلک کو بھی اس شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ آپ نے دعویٰ کیا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے ''مجھے وحی ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں۔'' اس پر ملک صاحب نے ایک سو روپیہ انعام مقرر کیا کہ مولوی صاحب حضرت صاحب کی کسی کتاب سے ایسی وحی دکھا دیں مگر سید صاحب آخر دم تک کوئی ایسی وحی نہ دکھا سکے۔ اور بھی متعدد غلط اور بے بنیاد حوالہ جات دیئے۔ جن کا مطالبہ کرنے پر کوئی پتہ نہ دے سکے۔

صداقتِ مسیح موعودؑ کے مسئلہ پر ملک صاحب کے دلائل بالکل مسکت ہیں جن کا آخر تک کوئی جواب نہ دیا گیا۔ بلکہ جواب دینے کی کوشش بھی نہ کی تھی۔ غیر احمدی پبلک بھی اپنے مناظر کی اس کمزوری کو محسوس کرتی تھی۔ مباحثہ خدا کے فضل سے بہت کامیاب رہا۔

اس کے بعد 6بجے بعد عصر سے لے کر 9بجے رات تک حیات و وفاتِ مسیحؑ پر مناظرہ ہوا۔ غیر احمدی مناظر نے اپنی نصف گھنٹہ کی پہلی تقریر میں صرف ''بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ'' اور ''یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ'' کی حدیث پیش کی۔ اور تمام تقریر نصف گھنٹہ تک ''ظفر الرحمانی فی کشف القادیانی'' مصنفہ منشی غلام مرتضیٰ سکنہ میانی پڑھتے رہے۔ احمدی مناظر نے اپنی نصف گھنٹہ کی تقریر میں رفع کے معانی قرآن شریف احادیث اور لغتِ عرب سے دکھا کر پچاس روپیہ کے نوٹ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کئے کہ وہ قرآن، حدیث اور لغتِ عرب سے جب ''فاعل اور کوئی انسان مفعول ہو اور لفظ بہ رفع'' مستقل ہو تو اس کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے دکھا دیں اور پچاس روپے لے لیں مگر سید صاحب کوئی جواب نہ دے سکے۔

بہت اچھا اثر ہوا۔ اسی طرح ''تَوَفِّی'' کے لفظ پر انعام مقرر کیا گیا اور ''نُزول'' کے لفظ پر بھی انعام مقرر کیا گیا مگر غیر احمدی مناظر کسی چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ احمدی مناظر نے قرآن شریف، احادیث اور اقوالِ آئمہ سے بیسیوں حوالہ جات پیش کر کے وفاتِ مسیح کو ثابت کیا۔ اور کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں۔

(باقی آئندہ)

DAILY LONDON ALFAZL ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

مباحثات ومناظرات ضلع چکوال

(قسط اوّل)

(ریاض محمود باجوہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے بعد اس پیغامِ حق کو ضلع چکوال کے رفقاءِ حضرت مسیح موعودؑ نے ضلع کے قریہ قریہ تک پہنچانے کو اپنا مشن بنایا اور دعوتِ الیٰ اللہ کو اپنا شعار بناتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کی آواز کو چکوال کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کی۔مباحثے تو روزانہ کا معمول تھا۔ہر آنے جانے والے،ہر ملنے والے کو،ہر مسافر کو،ہر جاننے نہ جاننے والے کو امام مہدی کے ظہور اور اُس کی تعلیمات سے آگاہ کرتے رہے۔اور اُن کی دعوتِ الیٰ اللہ سے کئی سعید روحوں نے احمدیت کو قبول کیا اور امامِ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی۔ضلع چکوال کے مندرجہ ذیل مباحثات و مناظرات مشہور ہیں اور جن کا ذکر تاریخ احمدیت کی کتب اور اخبارات اور مجلّات میں محفوظ ہے۔

1۔مباحثہ چکوال۔27جنوری 1914ء

2۔مباحثہ چک نورنگ 29جنوری 1914ء

3۔مباحثہ چوہان 30جنوری 1914ء

4۔مناظرہ ڈنڈوت 9 /اگست1929ء

5۔مباحثہ چھمبی 12/اگست1929ء

6۔مناظرہ چکوال(عیسائیوں سے) 15تا18 جون1932ء

7۔مباحثہ ڈلوال 3،2دسمبر 1944ء

8۔مناظرہ چکوال(بہائیوں سے) 15جولائی1957ء

1۔مباحثہ چکوال 27جنوری1914ء

جلسہ چکوال میں شمولیت کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ 24جنوری 1914ء کو مفتی فضل الرحمٰن کے ہمراہ قادیان سے روانہ ہوئے۔لاہور پہنچ کر آپ نے 25جنوری کی شام کو جماعت لاہور کی درخواست پر میاں چراغ دین کے مکان پر ایک پُر معارف لیکچر دیا۔جس میں آیت اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے زمانہ حال کے مسلمانوں کا صحابہ کی قربانیوں سے مقابلہ کیا اور آخر میں جماعت کو تبلیغِ حق کی ضرورت و اہمیت بتائی اور اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی۔تقریر کے بعد آپ 10بجے شب لاہور سے روانہ ہو کر 3بجے جہلم پہنچے۔26جنوری کو نماز ظہر کے بعد آپ نے ایک تقریر فرمائی جو سورۃ فاتحہ پر تھی۔نماز مغرب کے بعد حضرت حافظ روشن علی کا وعظ سورۃ العصر پر ہوا۔27جنوری کو آپ 6بجے صبح جہلم سے بذریعہ ریل مندرہ اسٹیشن پر اُترے اور 9بجے ٹانگہ پر سوار ہو کر شام کو 6بجے چکوال رونق افروز ہوئے۔راستہ میں چک نورنگ کے احمدی علاقہ دار بابو غلام حیدر اور سید رکن شاہ علاقہ دار اور سید اللہ دتہ نمبر دار چوہان استقبال کے لئے موجود تھے۔(تاریخِ احمدیت جلد 4 صفحہ 529)

حضرت خلیفہ المسیح الثانیؓ کے دعوت الی الخیر کے اس سفر چکوال میں چکوال کے مقام پر کرم دین بھیں والے نے مباحثہ چاہا۔اس مباحثہ کی تفصیل الفضل قادیان 11فروری 1914ء کے صفحہ 12پر ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

چکوال میں کرم دین بھیں والے نے مباحثہ چاہا جن کے جواب میں اسے مولوی نور محمد ساکن چکوال اور چوہدری غلام حیدر علاقہ دار چک نورنگ صاحب نے کہا یا تو بھِیں میں چل کر مباحثہ کر لو۔یا چوہان میں جہاں حفظ امن ہمارے ذمہ ہے اور یہاں تم ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت لاؤ۔لیکن وہ اپنی حیثیت خوب جانتا تھا۔خاموش رہ گیا۔

مباحثہ چک نورنگ 29جنوری 1914ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر چکوال میں چک نورنگ کے مقام پر 29تاریخ کو صبح 10بجے ماسٹر صاحب نے ایک گھنٹہ بھر کچھ بیان کیا۔اس کے بعد حافظ روشن علی ختمِ نبوت پر دو گھنٹہ تقریر فرماتے رہے۔اس کے بعد ایک گھنٹہ شیخ غلام احمد نے وعظ کیا۔اور قریباً 15منٹ صاحبزادہ صاحب نے گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا۔اور 2بجے جلسہ برخاست ہوا اور 3بجے ظہر و عصر کھانا کھا کر جمع کی۔مولوی خان ملک کھیولہ (کھیوال) سے ڈولی میں صاحبزادہ صاحب سے ملنے کو تشریف لائے۔سو برس سے اوپر عمر بتلائی جاتی ہے۔بہت ضعیف ہیں۔بعد نماز 4بجے ٹانگوں پر سوار ہو کر شام کو 6میل پر چک نورنگ میں رونق افروز ہوئے اور صبح چک نورنگ سے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ چک نورنگ میں نازل ہوا۔یہاں شیعہ لوگوں نے ایک مولوی مباحثہ کے لئے بلایا ہوا تھا۔29تاریخ شام کو صاحبزادہ صاحب نے احمدی احباب کو بعد مغرب وعظ فرمایا۔اور عشاء کے بعد حافظ صاحب نے عورتوں میں وعظ کیا۔

مباحثہ چوہان 30جنوری 1914ء

30جنوری 1914ء،11بجے صاحبزادہ صاحب کی سواری چوہان میں پہنچی۔جمعہ مسجد میں پڑھا اور مختصر سا خطبہ صاحبزادہ صاحب نے پڑھا۔بعد نماز ایک بجے سے 4بجے تک صاحبزادہ صاحب نے تقریر فرمائی جس میں تقریباً 500مرد اور 200عورتیں تھیں۔عورتوں کے لئے الگ انتظام تھا۔اڑھائی گھنٹے کے قریب یہ تقریر جاری رہی اور حاضرین پر اس کا بہت اثر تھا۔صاحبزادہ صاحب نے اپنی تقریر میں حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کو کھلے لفظوں میں براہین و دلائل کے ساتھ پیش کیا۔عصر کے بعد ایک مولوی فضل احمد علاقہ گجرات سے آئے ہوئے تھے،ان سے مباحثہ تھا۔حافظ روشن علی صاحب نے اس پر سوال کیا کہ حیاتِ مسیح کے آپ کے پاس کیا دلائل ہیں؟اس کا جواب وہ نہ دے سکا۔اور تھوڑی سی ردّو کد کے بعد عربی میں مباحثہ قرار پایا۔حافظ صاحب نے عربی میں اپنا سوال پیش کیا۔مولوی صاحب نے اس کے جواب میں اوٹ پٹانگ ہانک دیا۔اور پھر جواب ملنے پر دم بخود رہ گیا۔اُدھر لوگوں نے کہا کہ ایسی زبان میں گفتگو ہو کہ ہم بھی سمجھ سکیں۔پھر تحریری مباحثہ قرار پایا۔اور طرفین میں تبادلہ تحریرات ہوتا رہا۔جس میں اس کے لغو اعتراضات (جن کا اصل بحث سے کچھ تعلق نہ تھا) کے جواب کے علاوہ 11دلیلیں وفاتِ مسیح کی بھی پیش کی گئیں۔آخر مولوی ایک آیت کی ترکیبِ نحوی پر اڑا جس کے جواب میں اُسے کہا گیا کہ ہم ترکیب لکھوا دیتے ہیں۔آپ بھی ایک آیت کی ترکیب کر دیں۔اور یہ دونوں ترکیبیں کسی نحوی منصف کے پاس بھیجی جائیں۔اس وقت رات کے 12بج چکے تھے۔مولوی موقعہ پا کر کمرہ میں چلا گیا۔اور پھر برآمد نہ ہوا اور یوں خدا کے فضل سے احمدیوں نے فتح پائی۔افسوس کہ مولوی نے اتنا وقت ضائع کیا کیونکہ اس کا مقصد طلبِ حق نہ تھا۔

(الفضل قادیان 11فروری 1914ء صفحہ 12 کالم 3)

ڈنڈوت میں کامیاب مناظرہ

ڈنڈوت تحصیل پنڈ دادنخان میں 9۔اگست 1929ء کو جماعتِ احمدیہ اور اہلِ سنت والجماعت کے درمیان حضرت مرزا صاحب کے عنوان پر 6بجے صبح سے لیکر 11بجے تک مباحثہ قرار پایا۔

اہلِ سنت والجماعت کے مناظر مولوی محمد احسن نے بلاوجہ اس بات پر اصرار کیا کہ صداقتِ مسیح موعود علیہ السلام کے مسئلہ پر وہ خود مدعی ہوں گے حالانکہ جماعتِ احمدیہ کے مناظر ملک عبد الرحمٰن خادم گجراتی نے رشیدیہ کا حوالہ پیش کیا کہ مدعی من حیثُ انہ اثباً ہوتا ہے۔لہذا مسئلہ صداقتِ مسیح موعودؑ پر جماعتِ احمدیہ مدعی ہے۔مگر مولوی محمد احسن صاحب نے اپنی بات پر اصرار کیا۔ملک عبد الرحمٰن خادم نے مولوی صاحب کے اصرار پر ان کے اس مطالبہ کو بھی منظور کر لیا۔اہلِ سنت کے مناظر مولوی محمد احسن

بقیہ صفحہ 7 پر

20 اگست2020ء

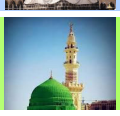

		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ		04:41	18:47
مدینہ منورہ		04:36	18:51
قادیان		04:30	19:07
ربوہ		04:10	18:46
اسلام آباد ٹلفورڈ		04:28	20:14